



ترتیب

- 05 پت جھڑے ہے گلہ نہ شکایت ہوا سے ہے
07 بہت رویا وہ ہم کو یاد کر کے
08 چلنے کا حوصلہ نہیں، رکنا محال کر دیا
10 زبان پہ تذکرہ بامِ درخشاں لاتا
11 تخت ہے اور کہانی ہے وہی
13 میں اس سے بھلا کہاں ملی تھی
15 جب سازی لے بدل گئی تھی
17 دو شعر
19 یہ میرے ہاتھ کی گرمی
22 نہ میں نے چاند دیکھا
24 مگر اس دل کی ویرانی
25 سلا رہا تھا نہ بیدار کر سکا تھا مجھے
26 تھک گیا ہے دل وحشی مرا فریاد سے بھی
27 جشن سا آٹھ پہر دل میں ہے
28 حرف تازہ نئی خوشبو میں لکھا چاہتا ہے
30 چپ رہتا ہے وہ اور آنکھیں بولتی رہتی ہیں
31 وقت رخصت آگیا، دل پھر بھی گھبرایا نہیں
32 یہ کیسا خلا ہے!
33 ہوا مِ جامِ صحت تجویز کرتی ہے

- 37 ایک ساؤنڈ پروف نظم
- 41 ایک عجیب روحی خیال میں مرے آگئی
- 43 خوشی کی بات ہے یاد کھکا منظر دیکھ سکتی ہوں
- 45 بھولا نہیں دل عتاب اس کے
- 46 تین شعر
- 47 دل میں آئی رات
- 49 جیسے مشام جاں میں مائی ہوئی ہے رات
- 53 تمہاری ہنسی
- 54 نئے سال کی دعا
- 55 یہ پیاس سماعت کی
- 56 صحرا کی طرح تپتی ہوئی برف
- 58 ظلم کے ہاتھوں میں افیت میں ہے جس طرح حیات
- 59 سلگ رہا ہے مرا شہر، جل رہی ہے ہوا
- 60 نہ بجھ رہی ہے نہ اب کے بھڑک رہی ہے ہوا
- 61 کیوں مجھ پہ ہوا ہے مہرباں تو
- 63 رکی ہوئی ہے ابھی تک بہاؤ آنکھوں میں
- 64 ایک خالی دوپہر
- 71 سیمیا
- 73 دیکھ کر دانہ جو آئے ہیں سرشاخ پرند
- 74 جز طلب اس سے کیا نہیں ملتا

- 76 تاروں کے لیے بہت کڑی تھی
- 77 رخصت کی کسک رہی ہے اب تک
- 79 لوچراغوں کی کل شب اضافی رہی
- 81 آنکھوں نے کیسے خوب تراشے ہیں، ان دنوں
- 82 سنڈریلا..... Unisited
- 90 ایک ہی ہاتھ میں سب کچھ سمٹ آیا شاید
- 91 نثری نظم
- 93 تمہاری سالگرہ پر
- 95 سلام

پت جہڑے گلہ ہے نہ شکایت ہوا سے ہے
پھولوں کو کچھ عجیب محبت ہوا سے ہے
سرشاری شگفتگی گل کو کیا خبر
منسوب ایک اور حکایت ہوا سے ہے

رکھا ہے آندھیوں نے ہی ہم کو کشیدہ سر
ہم وہ چراغ ہیں جنہیں نسبت ہوا سے ہے

اس گھر میں تیرگی کے سوا کیا رہے جہاں
دل شمع پر ہیں اور ارادت ہوا سے ہے

بس کوئی چیز ہے کہ سلگتی ہے دل کے پاس
یہ آگ وہ نہیں جسے صحبت ہوا سے ہے

صرصر کو اذن ہو جو صبا کو نہیں ہے بار
کنج قفس میں زیست کی صورت ہوا سے ہے

گل چیں کو ہی خرام صبا سے نہیں ہے خار
اب کے تو باغباں کو عداوت ہوا سے ہے

خوشبو ہی رنگ بھرتی ہے تصویر باغ میں
بزم خبر میں گل کی سیادت ہوا سے ہے

دست شجر میں رکھے کہ آکر بکھیر دے
آئین گل میں خاص رعایت ہوا سے ہے

اب کے بہار دیکھئے کیا گل کھلائے گی
دلدادگان رنگ کو وحشت ہوا سے ہے

غزل

بہت رویا وہ ہم کو یاد کر کے
ہماری زندگی برباد کر کے
پلٹ کر پھر یہیں آ جائیں گے ہم
وہ دیکھے تو ہمیں آزاد کر کے

رہائی کی کوئی صورت نہیں ہے
مگر ہاں منت صیاد کر کے

بدن میرا چھوٹا تھا اس نے لیکن
گیا ہے روح کو آباد کر کے

ہر آمر طول دینا چاہتا ہے
مقرر ظلم کی معیاد کر کے

غزل

چلنے کا حوصلہ نہیں ، رکنا محال مگر دیا
عشق کے اس سفر نے تو مجھ کو نڈھال کر دیا
اے مری گل زمیں تجھے چاہ تھی اک کتاب کی
اہل کتاب نے مگر کیا ترا حال کر دیا

ملتے ہوئے دلوں کے بیچ اور تھا فیصلہ کوئی
اس نے مگر پچھڑتے وقت اور سوال کر دیا

اب کے ہوا کے ساتھ ہے دامن یار منتظر
بانوئے شب کے ہاتھ میں رکھنا سنبھال کر دیا

مکنہ فیصلوں میں ایک ، ہجر کا فیصلہ بھی تھا
ہم نے تو ایک بات کی ، اس نے کما کر دیا

میرے لبوں پہ مہر تھی ، پر شیشہ رُو نے تو
شہر کے شہر کو مرا واقف حال کر دیا

چہرہ و نام ایک ساتھ آج نہ یاد آ سکے
وقت نے کس شبیہ کو خواب و خیال کر دیا
مدتوں بعد اس نے آج مجھ سے کوئی گلہ کیا
منصبِ دلبری یہ کیا مجھ کو بحال کر دیا

غزل

زبان پہ تذکرۂ بام و در نہیں لاتا
وطن سے کوئی خبر نامہ بر نہیں لاتا

گلاب کو نہ یقین ہو گا جب تلک صیاد
ہوا کے طشت میں اک مشت پر نہیں لاتا

یہ راہ عشق ہے مقل سے ہو کے جاتی ہے
سو اس سفر میں کوئی دل میں ڈر نہیں لاتا

تمام بوجھ تو رستے میں جمع ہوتا ہے
ورود سے کوئی رخت سفر نہیں لاتا

میں جس کے دھیان میں پہروں اداس رہتی ہوں
خیال دل میں مرا لمحہ بھر نہیں لاتا

سواۓ شام! اسیروں میں کون شامل ہے
بلا سبب کوئی نیزے پہ سر نہیں لاتا

غزل

تخت ہے اور کہانی ہے وہی
اور سازش بھی پرانی ہے وہی

قاضی شہر نے قبلہ بدلا
لیک خطبے میں روائی ہے وہی

خیمہ کش اب کے ذرا دیکھ کے ہو
جس پہ پہرہ تھا ، یہ پانی ہے وہی

صلح کو فتح کیا دل میں مگر
اب بھی پیغام زبانی ہے وہی

آج بھی چہرہ خورشید ہے زرد
آج بھی شام سہانی ہے وہی

بدلے جاتے ہیں یہاں روز طیب
اور زخموں کی کہانی ہے وہی



غزل

میں اس سے بھلا کہاں ملی تھی
بس خواب میں خواب دیکھتی تھی

سایہ تھا کوئی کنار دریا
اور شام کی ڈھاتی گھڑی تھی

کھرے میں چھپا ہوا تھا جنگل
چڑیا کہیں دور بولتی تھی

لپٹی ہوئی دھند کی ردا میں
اک زرد گلاب کی کلی تھی

اک سبز غبار تھا فضا میں
بارش کہیں سانس لے رہی تھی

بادل کوئی چھو گیا تھا مجھ کو
چہرے پہ عجیب تازگی تھی

آنکھوں میں ٹھہر گئی تھی شبنم
اور روح میں نرم روشنی تھی
کیا چیز تھی جو میرے بدن میں
آہستہ آہستہ کھل رہی تھی

اک گیت ہوا کے ہونٹ پر تھا
اور اس کی زبان اجنبی تھی

اس رات جبین ماہ پر بھی
تحریر کوئی قدیم سی تھی

یہ عشق نہیں تھا اس زمیں کا
اس میں کوئی بات سردی تھی

غزل

جب ساز کی لے بدل گئی تھی
وہ رقص کی کون سی گھڑی تھی
اب یادوں نہیں کہہ زندگی میں
میں آخری بار کب ہنسی تھی

جب کچھ بھی نہ تھا یہاں پہ ماقبل
دنیا کس کس چیز سے بنی تھی

مٹھی میں تو رنگ تھے ہزاروں
بس ہاتھ سے ریت بہہ رہی تھی

ہے عکس ، تو آئینہ کہاں ہے
تمثیل یہ کس جہان کی تھی

ہم کس کی زبان بولتے ہیں
گر ذہن میں بات دوسری تھی

تھا ہے اگر ازل سے انسان
یہ بزم کلام کیوں سچی تھی

تھا آگ ہی گر مرا مقدر
کیوں خاک میں پھر شفا رکھی تھی

کیوں موڑ بدل گئی کہانی
پہلے سے اگر لکھی ہوئی تھی

دو شعر

خلقت نہیں ہے ساتھ تو پھر بخت بھی نہیں
کچھ دن یہی رہے گا تو یہ تخت بھی نہیں
مایوں ہو کے دیکھ رہے ہیں خلا میں گھر
اتنی تو یہ زمین مگر بخت بھی نہیں

نظم

سوا د زندگی میں
اک ایسی شام آتی ہے
کہ جس کے سرمی آنچل میں
کوئی پھول ہوتا ہے
نہ ہاتھوں میں کوئی تارہ!
جو آ کر بازوؤں میں تھام لے

پھر بھی

رگ و پے میں کوئی آہٹ نہیں ہوتی
کسی کی یاد آتی ہے
نہ کوئی بھول پاتا ہے
نہ کوئی غم سلگتا ہے
نہ کوئی زخم سلگتا ہے
گلے ملتا ہے کوئی خواب
نے کوئی تمنا ہاتھ ملتی ہے
سوا د زندگی میں
اک ایسی شام آتی ہے
جو خالی ہاتھ آتی ہے!

allurdubooks.blogspot.com

یہ میرے ہاتھ کی گرمی

یہ میرے ہاتھ کی گرمی

جسے چھو کر

تمہاری آنکھ میں حیرت کے ڈورے ہیں

کہ اس سے قبل جب بھی تم نے میرا ہاتھ تھاما

برف کا موسم ہی پایا تھا

یہ موسم میرے اندر کتنے برسوں سے فروکش تھا

بہار آتی تھی

اور میرے درپچوں پر کبھی دستک نہ دیتی تھی

گلابی بارشیں

میرے لیے ممنوع تھیں

اور صبح کا تازہ ہوا کا ذائقہ

میں بھول بیٹھی تھی

مرے ملبوس سے سب گرم رنگوں کو شکایت تھی

مجھے بس برف کی چادر پہننے کی اجازت تھی

مگر جاناں!

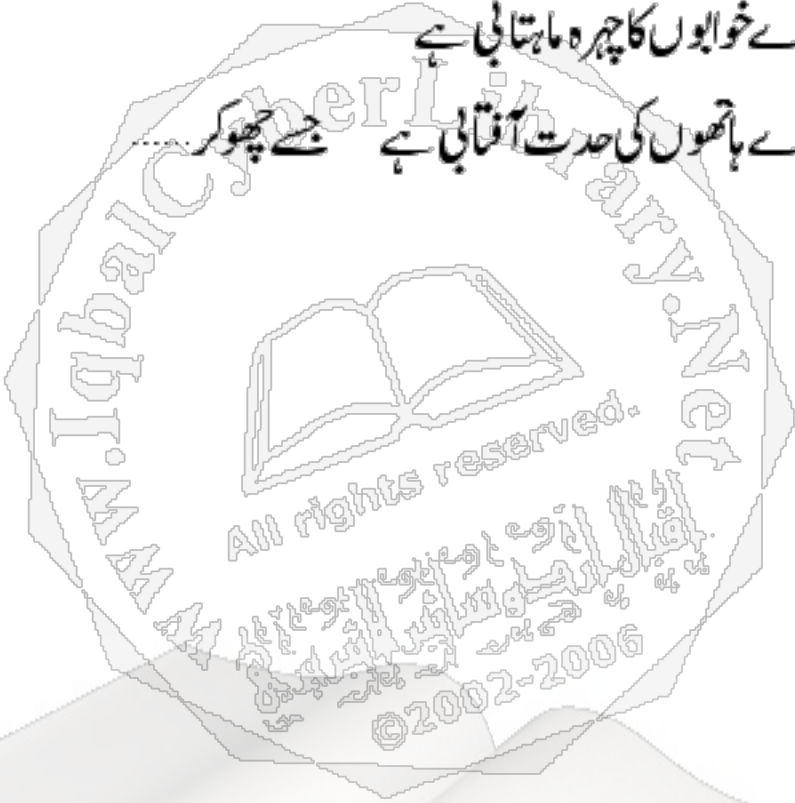
تمہارے ساتھ نے تو روح کا موسم بدل ڈالا

یہاں اب رنگ کا تہوار ہے

خوشبو کا میلہ ہے

مراملبوس اب گہرا گلابی ہے

مرے خوابوں کا چہرہ ماہتابی ہے
مرے ہاتھوں کی حدت آفتابی ہے جسے چھوکر



allurdubooks.blogspot.com

نظم

پہلے بھی یہ دل ہجر سے بے حال ہوا ہے
پہلے بھی بچھڑنے کی سزا پائی ہے اس نے
رخصت کی افیت میں جو شدت ہے ، سہی ہے
آیا ہے بہت یاد کسی چشم کا جادو
خود سے بہت آئی کسی ملبوس کی خوشبو
کھینچا ہے بہت قلب کو گزرے ہوئے کل نے
دن بھر کبھی دوری نے زیوں حال رکھا ہے
رخصت کی گھڑی ٹھہر گئی روح میں جیسے!
اس بار جو آیا ہے مگر ، ہجر کا موسم
اس میں دل بیمار کی وحشت ہی الگ ہے
مٹی سے جدائی کی حکایت ہی الگ ہے
کچھ دیر کی تاخیر جو ہوتی ہے وطن سے
لگتا ہے کہ اب جان نکل جائے گی تن سے!

نہ میں نے چاند دیکھا

نہ میں نے چاند دیکھا

اور نہ کوئی تہنیت کا پھوک کھڑکی سے اٹھایا

مرا ملبوس اب بھی ملگجایا ہے

حتا سے ہاتھ خالی

اور چوڑی سے کلانی

نہ میرے پاس تھے تم

اور نہ میرے شہر سے گزرے

میں کیا افشاں لگاتی

مانگ میں سیندور بھرتی

رنگ اور خوشبو پہنتی

چاند کی جانب نظر کرتی

کہ میری لذت دیدار تو تم ہو!

مرا تہوار تو تم ہو!

نظم

یہ بارش خوبصورت ہے

اک عرصے بعد

میری روح میں

سیراب ہونے کی تمنا جاگ اُٹھی ہے

مگر بادل کے راستے میں

بہت سے پیڑ آتے ہیں

میں پل بھر کے لیے شاداب ہوں

اور اپنی باقی عمر

پھر صحرا میں کاٹوں؟

میں اپنی پیاس پر راضی رہوں گی

مرے آنسو مرے دل کی کفالت کے لیے کافی رہیں گے

allurdubooks.blogspot.com

مگر اس دل کی ویرانی

تمہارا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہے

اور اس کی خوش اثر حدت

مرے اندر طلسمی رنگ پھولوں کی نئی دنیا کھلانے میں لگن ہے

تمہارے لب پہ میرے نام کا تارہ چمکتا ہے

تو مری روح ایسے جگمگا اٹھتی ہے

جیسے آئینے میں چاند اتر آئے

مری پلکوں سے آنسو چوم کر

تم نے انہیں موتی بنانے کی جو ضد کی ہے

وہ ضد مجھ کو بہت اچھی لگی ہے

بہت خوش ہوں

کہ میرے سر پہ چادر رکھنے والا ہاتھ

میرے ہاتھ میں پھر آ گیا ہے

یہ پھول اور یہ ستارے اور یہ موتی

مجھ کو قسمت سے ملے ہیں

اور اتنے ہیں کہ گنتی میں نہیں آتے

مگر اس دل کی ویرانی.....!

مگر اس دل کی ویرانی.....!

غزل

سلا رہا تھا نہ بیدار کر سکا تھا مجھے
وہ جیسے خواب میں محسوس کر رہا تھا مجھے
یہی تھا چاند اور اہل کو گواہ ٹھہرا کر
دُرا سہا یو تو کر تو نے کیا کہا تھا مجھے

تمام رات مری خواب گاہ روشن تھی
کسی نے خواب میں اک پھول دے دیا تھا مجھے

وہ دن بھی آئے کہ خوشبو سے میری آنکھ کھلی
اور ایک رنگ حقیقت میں چھو رہا تھا مجھے

میں اپنی خاک پہ کیسے نہ لوٹ کر آتی
بہت قریب سے کوئی پکارتا تھا مجھے

درونِ خیمہ ہی میرا قیام رہنا تھا
تو میر فوج نے لشکر میں کیوں لیا تھا مجھے

غزل

تھک گیا ہے دل وحشی مرا فریاد سے بھی
جی بہلتا نہیں اے دوست تری یاد سے بھی

اے ہوا کیا ہے جو اب نظم چمن اور ہوا
صید سے بھی ہیں مراسم ترے، صیاد سے بھی

کیوں سرکتی ہوئی لگتی ہے زمیں یاں ہر دم
کبھی پوچھیں تو سبب شہر کی بنیاد سے بھی

برق تھی یا کہ شرار دل آشفته تھا
کوئی پوچھے تو مرے آشیاں برباد سے بھی

بڑھتی جاتی ہے کشش وعدہ گہ ہستی کی
اور کوئی کھینچ رہا ہے عدم آباد سے بھی

غزل

جشن سما آٹھ پہر دل میں ہے
کتنی یادوں کا شہر دل میں ہے
تجھ سے ملنے کی سرخوشی کے ساتھ
ایک اداسی کی لہر دل میں ہے

ہے ازل سے رخ فلک نیلا
کس قیامت کا زہر دل میں ہے
دھوپ نکلی ہوئی ہے برف کے بعد
کون یہ صبح چہر دل میں ہے

خشک ہوتی نہیں کسی موسم
غم کی اک ایسی نہر دل میں ہے

حیف ہے ایسی میزبانی پر
حسرت سیر دہر دل میں ہے

غزل

حرف تازہ نئی خوشبو میں کھلا چاہتا ہے
باب اک اور محبت کا کھلا چاہتا ہے
ایک لمحے کی توجہ نہیں حاصل اس کی
اور یہ دل کہ اسے جد سے سوا چاہتا ہے

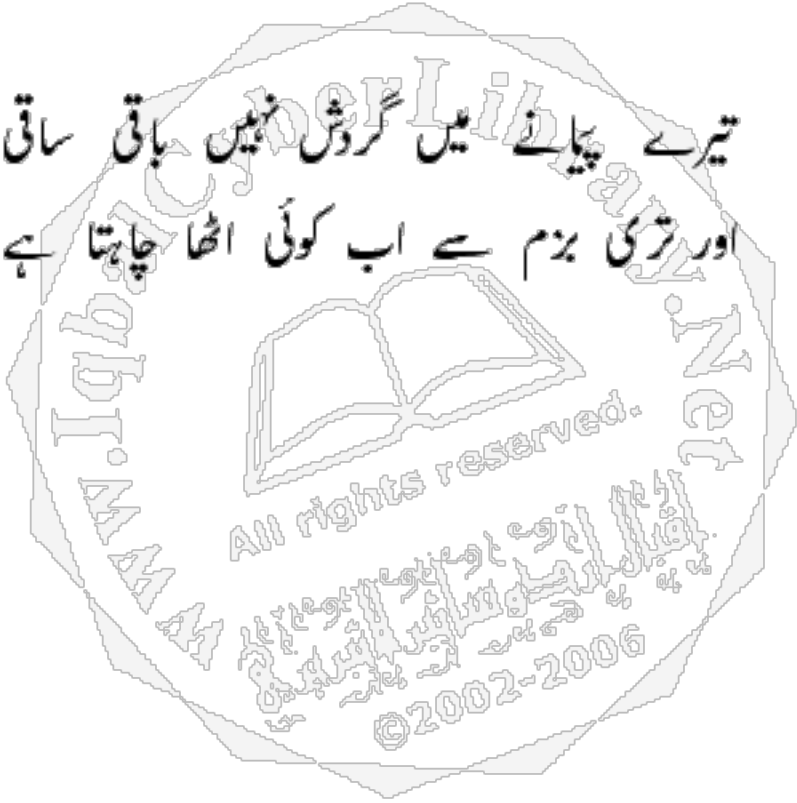
اک حجاب تہہ اقرار ہے مانع ورنہ
گل کو معلوم ہے کیا دست صبا چاہتا ہے

ریت ہی ریت ہے اس دل میں مسافر میرے
اور یہ صحرا تیرا نقش کف پا چاہتا ہے

یہی خاموشی کئی رنگ میں ظاہر ہو گی
اور کچھ روز ، کہ وہ شوخ کھلا چاہتا ہے

رات کو مان لیا دل نے مقدر لیکن
رات کے ہاتھ پہ اب کوئی دیا چاہتا ہے

تیرے پیانے میں گردش نہیں باقی ساقی
اور تری بزم سے اب کوئی اٹھا چاہتا ہے



غزل

چپ رہتا ہے وہ اور آنکھیں بولتی رہتی ہیں
اور کیا کیا بھید نظر کے کھلتی رہتی ہیں
وہ ہاتھ مرے اندر کیا موسم ڈھونڈتا ہے
اور انگلیاں کیسے خواب ٹٹولتی رہتی ہیں

اک وقت تھا جب یہی چاند تھا اور سناٹا تھا
اور اب یہی شامیں موتی روتی رہتی ہیں

یاد آتی ہیں اس کی پیار بھری باتیں شب بھر
اور سارے بدن میں امرت گھولتی رہتی ہیں

غزل

وقت رخت آ گیا ، دل پھر بھی گھبرایا نہیں
اس کو ہم کیا کھوئیں گے جس کو کبھی پایا نہیں
زندگی جتنی بھی ہے اب مستقل صحرا میں ہے
اور اس صحرا میں تیرا دور تک سایہ نہیں

میری قسمت میں فقط درد تہہ ساغر ہی ہے
اول شب جام میری سمت وہ لایا نہیں

تیری آنکھوں کا بھی کچھ ہلکا گلابی رنگ تھا
ذہن نے میرے بھی اب کے دل کو سمجھایا نہیں

کان بھی خالی ہیں میرے اور دونوں ہاتھ بھی
اب کے فصل گل نے مجھ کو پھول پہنایا نہیں

یہ کیسا خلا ہے

یہ کیسا خلا ہے

جو خوابوں کے رستے مری روح میں آ گیا ہے

میں جس پھول بن میں

ہری گھاس پر تتلیاں چن رہی تھی

وہ گرش گئیہ میرے قدموں سے کیسے جدا ہو گیا

میں جس آسمان کے

ستاروں میں اپنا ستارہ الگ کر رہی تھی

وہ تاروں بھری چھت مرے سر سے کیوں ہٹ گئی

زمیں پر ہوں اور میں نہ زیر فلک

نہ دھڑکا ہے دل کو نہ کوئی کسک

ترے ساتھ ہوں اور نہ ترے بغیر

جئے جا رہی ہوں میں اپنے بغیر

ہوا جامِ صحت تجویز کرتی ہے

مجھے معلوم تھا

یہ دن بھی دکھ کی کوکھ سے پھوٹا ہے

میری مانتی چادر

نہیں تبدیل ہوگی آج کے دن بھی

جو رکھاڑتی تھی خوابوں کی بدن میں

یونہی آشفٹہ رہے گی

اور اداسی کی یہی صورت رہے گی!

میں اپنے سوگ میں ماتم کناں

یوں سر بہ زانورات تک بیٹھی رہوں گی

اور مرے خوابوں کا پر سہ آج بھی کوئی نہیں دے گا.....!

مگر یہ کون ہے

جو یوں مجھے باہر بلاتا ہے

بڑی نرمی سے کہتا ہے

کہ اپنے حجرہ غم سے نکل کر باغ میں آؤ

ذرا باہر تو دیکھو!

دور تک سبزہ بچھا ہے

اور ہری شاخوں پہ نازنجی شکوفے مسکراتے ہیں

ملائم سبز پتوں پر پڑی شبِ نیم

سنہری دھوپ میں، ہیرے کی صورت جگمگاتی ہے

درختوں میں چھپی ندی

بہت دھیمے سروں میں گنگناتی ہے

چمکتے زرد پھولوں سے لدی، منہی پہاڑی کے عقب میں

نقرائی چشمہ خوشی سے کھلکھلاتا ہے

پرند خوش گلو

شاخ شگفتہ پر چبکتا ہے

گھنے جنگل میں بارش کا غبار سبز

سطح شیشہ دل پر

ملائم انگلیوں سے مرحبا کے لفظ لکھتا ہے

کوئی آتا ہے

آ کر چادر غم کو بڑی آہستگی سے

میرے شانوں سے ہٹا کر

سات رنگوں کا دوپٹہ کھول کر مجھ کو اڑھاتا ہے

میں کھل کر سانس لیتی ہوں

مرے اندر

کوئی پیروں میں گھنگھر و بانہ دھتا ہے

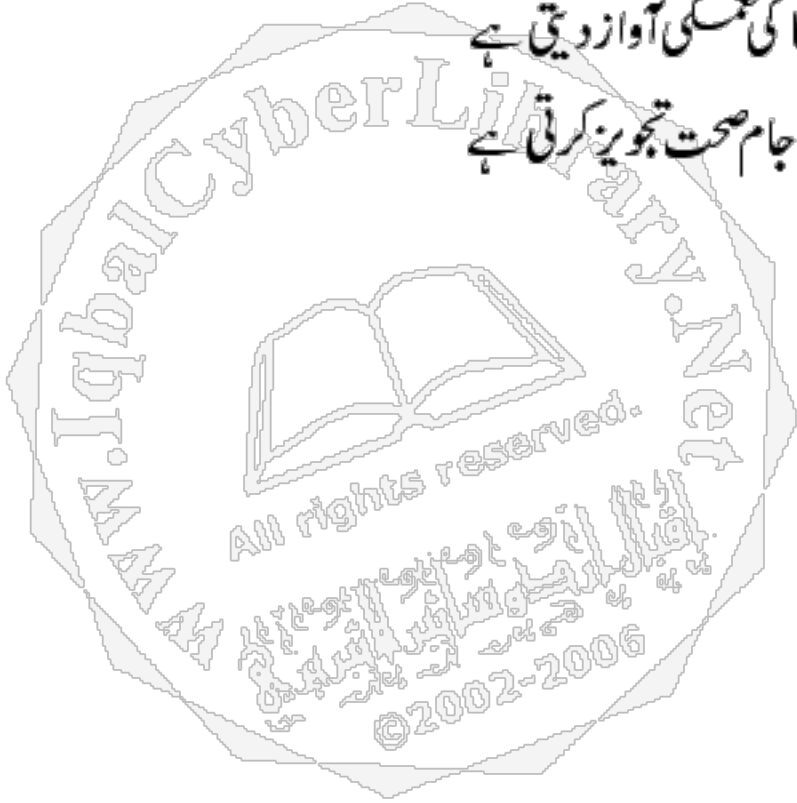
رقص کا آغاز کرتا ہے

مرے کانوں کے آویزوں کو یہ کس نے چھوا

جس سے لوہے پھر سے گلابی ہو گئی ہیں

کوئی سرگوشیوں میں پھر سے میرا نام لیتا ہے

فضا کی نغمگی آواز دیتی ہے
ہوا جامِ صحت تجویز کرتی ہے



نظم

گلہ کیا

اسیر شام تنہائی سے یہ آخر گلہ کیا

تجھے تو علم تھا زنجیر کا میری

جو پیروں میں بھی ہے

اور روح پر بھی

میں اپنے بخت کی قیدی ہوں

میری زندگی میں

نرم آوازوں کے جگنو کم چمکتے ہیں

فصیل شہر غم پر خوش صدا طائر

کہاں آ کر ٹھہرتے ہیں

تری آواز کا ریشم میں کیسے کاٹ سکتی تھی

مرے بس میں اگر ہوتا

تو ساری عمر

اس ریشم سے اپنے خواب بنتی

اور اس رم جھم کے اندر بھیکتی رہتی!

تجھے تو میرے دکھ معلوم تھے جاناں!

یہ کس لہجے میں تو رخصت ہوا ہے!

ایک ساؤنڈ پروف نظم

بہت خوش شکل ہے یہ گھر
طلسمی ہے فضا اس کی
درپچوں کا ہے رخ دریا کی جانب
اور دروازے بھی اکثر باغ کے پہلو میں کھلتے ہیں!
عروسِ نو کے خوابوں کی طرح نقشین ہے ہر کمرہ
اور ان کے وسط میں المانوی شمعیں سحر تک جھلملاتی ہیں
بہت آراستہ مہمان خانے میں
طلائی قاب میں رکھے ہوئے اثمار تازہ، سبز و عنابی
منقش جامِ سپیس میں شراب کھربائی
اور کفِ دہلیز سے لے کر
مکینوں کے نگاریں جملہ گاہِ خواب
اور دیوان خانے تک
بچھے خالچہ شیراز و روما
آپ کے قدموں کی آہٹ اس طرح سے جذب کرتے ہیں
کہ جیسے خانہ زاد تاج
محلوں میں چھپے رازوں کو اپنے گنگ سینوں میں۔
مکیں سرگوشیوں میں بات کرتے ہیں
صدائے شام کا زخمی پرندہ
شیشہ در سے برابر سر ٹکراتا ہے

لیکن باریابی کی کوئی صورت نہیں بنتی

دریچوں پر کبھی

بارش کی ننھی سی ہتھیلی کی جھلک

مجھ کو دکھائی دے بھی جاتی ہے

مگر دستک نہیں آتی

جہاں میں ہوں

وہاں آواز کو رستہ نہیں ملتا!

یہاں سے ایک شب کے فاصلے پر

دور آزادی کی مورت کے جلو میں

شاہراہ شرق اول پر

طلسمی رنگ، جادوئی فضا

اک اور بستی ہے

جہاں دنیا ئے سوم کے

کسی کو چے سے آتے ہیں کو

پروانہ راہداری عظمیٰ نہیں ملتا

جہاں ہم ہیں

وہاں آواز کو رستہ نہیں ملتا!

نظم

خوشبو میں بسا ہوا یہ لمحہ
دستک مرے دل پہ دے رہا ہے
اور ڈھونڈ رہا ہے میرے اندر
اک شاخ بہار رنگ جس میں
اقرار کے پھول کھل رہے ہیں!

میں کیسے کروں یہ در کشادہ
اس پر تو وہ قفل پڑ چکا ہے
جس کے لیے سارے اسم بیکار
یہ میرے ستارے کی طرح ہے
تاریک ، اداس ، غیر آباد!

اے میرے خدا ، مرے بدن میں
ہمت نہیں اب شکستگی کی
شیشے کی طرح ہے اس کا دل بھی
اک ٹھیس سے ٹوٹنے کا ڈر ہے
مالک ہے تو آب و باد و گل کا
قادر ہے ہماری قسمتوں پر
اتنی سی دعا ہے میری تجھ سے

یا اس کے ارادے کو بدل دے!
یا میرے ستارے کو بدل دے!



غزل

اک عجیب رو تھی خیال میں مرے آگئی
کسی اور قرن سے حال میں مرے آگئی
یہ تری نگاہ ستارہ سماں کا ہے اثر
یہ جو روشنی خدو خال میں مرے آگئی

مری عمر نہیں دکھ میں فرق پڑا ہے یہ
یہ کمی سی جو مہ و سال میں مرے آگئی

وہ جواب دے کے بھی دیر تک رہا سوچتا
کوئی بات ایسی سوال میں مرے آگئی

ترے ساتھ اڑنے کا سوچ کر ہی میں کھل گئی
کوئی لہر سی پر و بال میں مرے آگئی

کبھی زندگی میں منافقت نہیں کر سکی
یہ کمی بھی فرد و بال میں مرے آگئی

بہی پیچھے اظم کے بھاگنا مجھے پڑ گیا
بہی خود یہ تیری جال میں مرے آ گئی



غزل

خوشی کی بات ہے یا دکھ کا منظر دیکھ سکتی ہوں
تری آواز کا چہرہ میں چھو کر دیکھ سکتی ہوں
ابھی تیرے لبوں پہ ذکر فصل گل نہیں آیا
مگر اک پھول کھلتے اپنے اندر دیکھ سکتی ہوں

مجھے تیری محبت نے عجب اک روشنی بخشی
میں اس دنیا کو اب پہلے سے بہتر دیکھ سکتی ہوں

کنارہ ڈھونڈنے کی چاہ تک مجھ میں نہیں ہوگی
میں اپنے گرد اک ایسا سمندر دیکھ سکتی ہوں

خیال آتا ہے آدھی رات کو جب بھی ترا دل میں
اترتا ایک صحیفہ اپنے اوپر دیکھ سکتی ہوں

وصال و ہجر اب یکساں ہیں، وہ منزل ہے الفت میں
میں آنکھیں بند کر کے تجھ کو اکثر دیکھ سکتی ہوں

ابھی تیرے سوا دنیا بھی ہے موجود اس دل میں
میں خود کو کس طرح تیرے برابر دیکھ سکتی ہوں



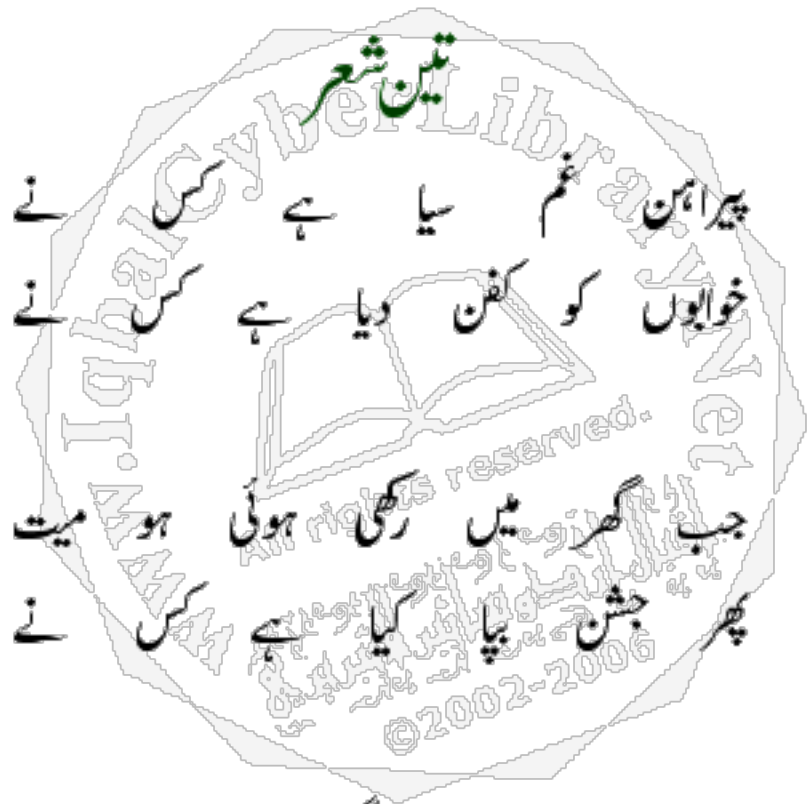
غزل

بھولا نہیں دل عتاب اس کے
احسان ہیں بے حساب اس کے
آنکھوں کی ہے ایک ہی تمنا
دیکھا کریں روزِ خواب اس کے

ایسا کوئی شعر کب کہا ہے
جو ہو سکے انتساب اس کے

اپنے لیے مانگ لوں خدا سے
حے میں جو ہیں عذاب اس کے

ویسے تو وہ شوخ ہے بلا کا
اندر ہیں بہت حجاب اس کے



اوروں پہ جو لوگ سائباں تھے
بے گھر انہیں کر دیا ہے کس نے



پھولوں بھرا رستہ
اور کسی کا سات

اس نے تھام لیا
چوم کے میرا ہات

آنگن میں اتری
تاروں کی بارات

جیون میں آئی
پورے چاند کی رات



غزل

جیسے مشام جاں میں سمائی ہوئی ہے رات
خوشبو میں آج کس کی نہائی ہوئی ہے رات

سرگوشیوں میں بات کریں ابرو و باد و خاک
اس وقت کائنات پہ چھائی ہوئی ہے رات

ہر رنگ جس میں خواب کا گھلتا چلا گیا
کس رنگ سے خدا نے بنائی ہوئی ہے رات

پھولوں نے اس کا جشن منایا زمین پر
تاروں نے آسماں پہ سجائی ہوئی ہے رات

وہ چاند چھپ چکا ہے مگر شہر دید نے
اب تک اسی طرح سے بسائی ہوئی ہے رات

صبح جمال یار کے جادو کو دیکھ کے
ہم نے نظر سے اپنی چھپائی ہوئی ہے رات

نظم

زمستاں کی ایک ریشمیں شام تھی
مرے گھر کے سارے درتھے
تری نرم دستک کے یوں منتظر تھے
کہ جیسے ازل سے تری آہٹوں سے شناسا ہیں
خواب گہ سے فضا
کمرہ میز بانی تلک
تازہ زنگس کی خوشبو سے گلنا تھی
تو نے دہلیز پر پاؤں رکھا ہی تھا
کہ مرے گھر کے سارے دیئے جل اٹھے
رنگ اور روشنی اور خوشبو کا سیلاب تھا
جو بہائے لئے جا رہا تھا ہمیں!
دیر تک گفتگو سے چراغاں رہا
موسموں پر،
سیاست پہ
کار جہاں اور کارسماوات پر
پروہ اک لفظ جو
تیرے دل میں کھلا
اور مرے خواب میں
ان چھوہا ہی رہا!

نظم

تمہارے جانے کے بعد میں نے

وہ شام آنچل میں باندھ لی

اور اس کی خوشبو کے ساتھ

باقی تمام شب اس طرح بسر کی

کہ جیسے بارش کے بازوؤں میں

بہار کی اولیس کو نپل

تمہارے لہجے کی نرم شبنم

مجھے بھگوتی رہی ہے شب بھر

تمہاری باتوں کی سبز مہکار، اپنے اندر

مجھے سموتی رہی ہے شب بھر

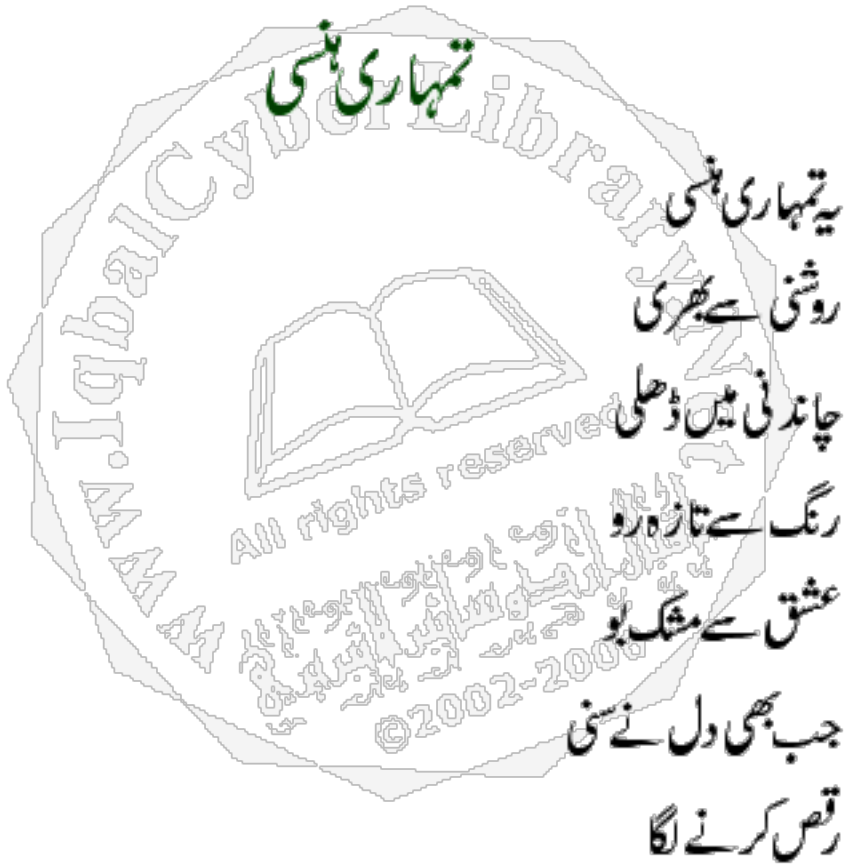
تمہارے ہاتھوں کا لمس پیہم

مرے بدن کو گلاب کرتا رہا ہے شب بھر

زمین کو ماہتاب کرتا رہا ہے شب بھر

نظم

جب شام کے ہاتھوں میں
اک جام نگاریں ہو
اور رات کے لہجے میں
ہلکا سا سرور آئے
اور اس کی بہت گہری
آنکھوں میں گلابی ہو
اس وقت یہ پیاسا دل
جب بات کرے اس سے
مدہوش نہ ہو کیوں کر
آنکھوں کی طرح جس کی
آواز میں سرخی ہو!



روح میں جیسے قوس قزح کھنچ گئی
آج بھی اس ہنسی کے وہی رنگ تھے
آج بھی روشنی کی وہی چھوٹ تھی
آج بھی اس کی خوشبو جنوں خیز تھی
پر کوئی بات تھی جس سے خالی تھی یہ
آج تو میری صورت، ہوا لی تھی یہ

نئے سال کی دعا

خدا کرے کہ نیا سال تیرے دامن میں

وہ سارے پھول کھلا دے

کہ جن کی خوشبو نے

ترے خیال میں شمعیں جلائی رکھی تھیں!

یہ پیاس سماعت کی

حلقوم | سماعت | میں
اگ | آئے | ہیں | اب | کانٹے
آواز | کا | اک | قطرہ
لیکن | نہیں | مل | پاتا
شبنم | ترے | لے | کی
کس | بن | میں | اترتی | ہے
نم | تیری | ہنسی | کا | اب
کس | تن | کو | بھگوتا | ہے
میں | پیاس | ے | بیکل | ہوں
اور | تیرے | تکلم | کا
اک | گھونٹ | نہیں | ملتا
اس | قحط | صدا | میں | دل
اب | کے | نہ | کھلے | شاید
یہ | پیاس | سماعت | کی
جاں | لے | کے | ٹلے | شاید

غزل

صحرا کی طرح تپتی ہوئی برف
کیا آگ سے ہے بنی ہوئی برف!

پتھر کی سیاہ رو سڑک پر
شیشے کی طرح بچھی ہوئی برف

ہے شام کی سرمئی ردا پر
چمپا کی طرح نکلی ہوئی برف

اندر سے سراہا آگ ہوں میں
باہر سے مگر جھی ہوئی برف

ہیں چست قبا شجر ہی ، یا ہے
ہمراہ بدن سلی ہوئی برف

لگتا ہے کہ شب دمک رہی ہے
مہتاب ہے اور کھلی ہوئی برف

مجھ پر کوئی ریت آ کے ڈالے
ویرانے میں ہوں پڑی ہوئی برف



غزل

ظلم کے ہاتھوں افیت میں ہے جس طرح حیات
ایسا لگتا ہے کہ اب حشر ہے کچھ دیر کی بات

روز اک دوست کے مرنے کی خبر آتی ہے
روز اک قتل پہ جس طرح کہ مامور ہے رات

نیمہ غیر سے منگوائے ہوئے یہ منجر
رن پڑے گا تو گھڑی بھر کونہ دے پائیں گے سات

کس طرح جان سکے طارک نو آموز
کون ہے جال کشا، کون لگائے ہوئے گھات!

آستنیوں میں چھپائے ہوئے ہر اک خنجر
اور گفتار کی بابت میں ہیں سب قند و نبات

غزل

سلگ رہا ہے مرا شہر ، جل رہی ہے ہوا
یہ کیسی آگ ہے جس میں پگھل رہی ہے ہوا
یہ کون باغ میں خنجر بدست پھرتا ہے
یہ کس کے خوف سے چہرہ بدل رہی ہے ہوا

شریک ہو گئی سازش میں کس کے کہنے پر
یہ کس کے قتل پہ اب ہاتھ مل رہی ہے ہوا

پرندے سہمے ہوئے ہیں درخت خوف زدہ
یہ کس ارادے سے گھر سے نکل رہی ہے ہوا

غزل

نہ بجھ رہی ہے نہ اب کے بھڑک رہی ہے ہوا
ہمارے دل کی طرح سے تپک رہی ہے ہوا

رکھی ہے ہر اک گھر کے صحن میں میت
سو وقفے وقفے سے جیسے سسک رہی ہے ہوا

رکھی تھی شہر کی بنیاد کیسے لوگوں نے
یہ کون لوگ ہیں جن میں بھٹک رہی ہے ہوا

سحر کچھ اور تھا اور اب یہ حال باغ کا ہے
کہ پاؤں رکھتے ہوئے بھی ٹھٹھک رہی ہے ہوا

یہ باغباں ہیں کہ گل چیں ، ندیم یا صیاد
کہ ان سے ہاتھ ملاتے جھجک رہی ہے ہوا

بریدہ جانی پہ بھی شہر سانس لیتا ہے
بہت سے لوگوں کے دل میں کھٹک رہی ہے ہوا!

غزل

کیوں مجھ پہ ہوا ہے مہرباں تو
اک ذرہ خاک ، اور کہاں تو
میں دھوپ کی عادی ہو چلی تھی
کیوں مجھ پہ بنا ہے سناں تو

میں تیری زمین نصف شب ہوں
تاروں سے بھرا میرا آسمان تو

ایسے ہی ہماری سوچ یکجان
میں نطق ترا ، مری زباں تو

تیار ہوں میں سفر کو لیکن
کشتی کا اٹھائے بادباں تو

کتنا بھی ہو میرا سخت لہجہ
دیا و حریر و پرناں تو

اک عام غریب شہر ہوں میں
کیا بسن کے کرے گا داستان تو

پتھر میں گلاب دیکھتا ہوں
کس درجہ ہے مجھ سے خوش گماں تو

اب تھوڑا سا وقت رہ گیا ہے
ضائع کروں میں ، نہ رائیگاں تو

غزل

رکی ہوئی ہے ابھی تک بہار آنکھوں میں
شب وصال کا جیسے خمار آنکھوں میں

مٹا سکے گی اے گردِ ماہ و سال کہاں
کھنچی ہوئی ہے جو تصویرِ یار آنکھوں میں

بس ایک شب کی مسافت تھی اور اب تک ہے
مہ و نجوم کا سارا غبار آنکھوں میں

ہزار صاحبِ رخسِ صبا مزاج آئے
بسا ہوا ہے وہی شہ سوار آنکھوں میں

وہ ایک تھا پہ کیا اس کو جب تہہ تلوار
تو بٹ گیا وہی چہرہ ہزار آنکھوں میں

ایک خالی دوپہر

میں باہر کی تمازت سے

جھلس کر آئی تو دیکھا

مرے گھر میں بھی ویسی دھوپ میری منتظر تھی!

کسی آواز نے ماتھا مرا چوما

نہ کوئی دلربا لہجہ

مجھے بانہوں میں لے پایا

حصولِ رزق کی گہری مشقت میں

اٹھائے جانے والے زخم پر

کوئی صدامِ مرہم فشاں تھی

اور نہ کوئی لفظ ہی اس کا رنو گر تھا

میں جس آواز سے لبریز رہتی تھی

اسی کے ایک جرے کو ترستی تھی

مرے ہاتھوں میں اک ٹوٹے ہوئی پوجا کی تھالی تھی

مری شاموں کی طرح آج میری دوپہر بھی

تجھ سے خالی تھی!

نظم

آغاز بہار سے ہی اب کے
یہ کیسا گلاب کھل گیا ہے
ہمارے جنگل میں روشنی ہے
پتے پتے تازگی ہے
ہر ٹوک گیا ہے شبنم
اک نغمگی ہے تن میں
اک رقص کی کیفیت بدن میں

نظم

ترے لہجے میں اب کی بار

ایسی شانتی تھی

جواک گہرے تذبذب سے نکل کر

ذہن میں ایک فیصلے کے بعد آتی ہے

تذبذب سے نکلنا اس قدر آسان نہیں جاناں!

یہ وہ جنگل ہے

جس میں راستے اک دوسرے کو کاٹ دیتے ہیں

مسافراک قدم آگے بڑھاتا ہے

تو سو خدشات دامن تھام لیتے ہیں

کوئی رستہ دکھانے کا کہاں سوچے

چراغوں کا تو کیا کہنا

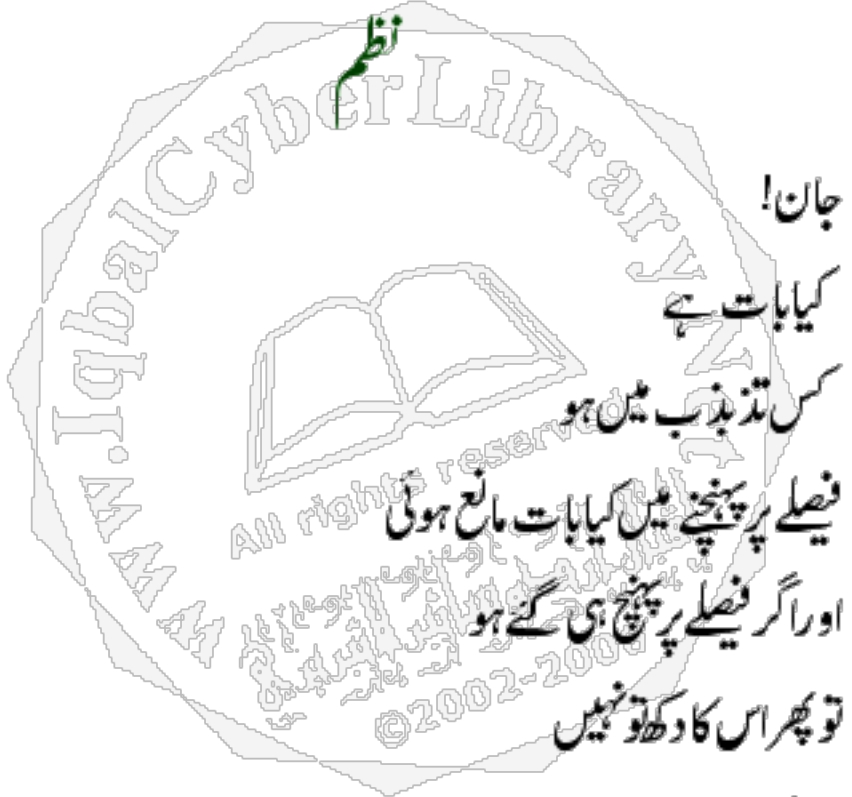
یہاں تو جگنوؤں پہ شک گزرتا ہے

سو ایسے گھپ اندھیرے میں

یقین کی شمع کس نے آکے تیرے دل میں روشن کی

ترے چہرے پہ اب کی بار

کیسی روشنی تھی!



جان!

کیا بات ہے

کس تذبذب میں ہو

فیصلے پر پہنچنے میں کیا بات مانع ہوئی

اور اگر فیصلے پر پہنچ ہی گئے ہو

تو پھر اس کا دکھ تو نہیں

اور دکھ ہے تو پھر

لوٹنے کی گھڑی

ہاتھ میں ہے ابھی

گر چاب شام ہے

اور جنگل قریں

پھر بھی تنہائی کا وقت کٹ جائے گا

راستے میں اب اتنی مسافت نہیں

عمر کی رات کے

آخری پہر میں

میں بھی ہوں

تم بھی ہو!

نظم

”دعا کرنا

مرے حق میں دعا کرنا“

بچھڑتے وقت اس نے ایک ہی فقرہ کہا تھا

اسے کیا علم

میرے حرف سے تاثیر کب کی اٹھ چکی ہے!

دعا کا پھول

میرے لب پہ کھلتے ہی

اچانک ٹوٹ جاتا ہے

میں کس خوشبو کو اس کے ہاتھ پر باندھوں

مجھے خوشبو سے ڈر لگنے لگا ہے!

نظم

گلے سے اپنے لگائے مجھ کو
سمیٹ کر اپنے بازوؤں میں
وہ ایک بچے کی طرح مجھ کو تھپک رہا تھا
اور اپنی خواب آفریں سرگوشیوں میں مجھ سے یہ کہہ رہا تھا
ابھی نہ تھکنا!
ابھی نہ تھکنا!

مرے مسافر!

میں جانتی ہوں

ابھی سفر ابتدا ہوا ہے

ابھی مسافت کی حد بھی لکھی نہیں گئی ہے

ابھی تو جنگل میں راستہ ڈھونڈنا پڑے گا

ابھی تو رے میں شام ہوگی

یہ شام بھی بے چراغ ہوگی!

ابھی تو صحرا کی دھوپ میں ننگے پاؤں چلنا پڑے گا مجھ کو

شجر ملے گا نہ سر پہ بادل کا سائباں کوئی تان دے گا

تری جھلک کا ابھی بہت انتظار کرنا پڑے گا مجھ کو

ابھی تو کچے گھرے پہ دریا کو پار کرنا پڑے گا مجھ کو

مرے مسافر!

میں جانتی ہوں

سفر کی ساری صعوبتوں کو میں جانتی ہوں

مگر مری آنکھ میں جو یہ راکھاڑ رہی ہے

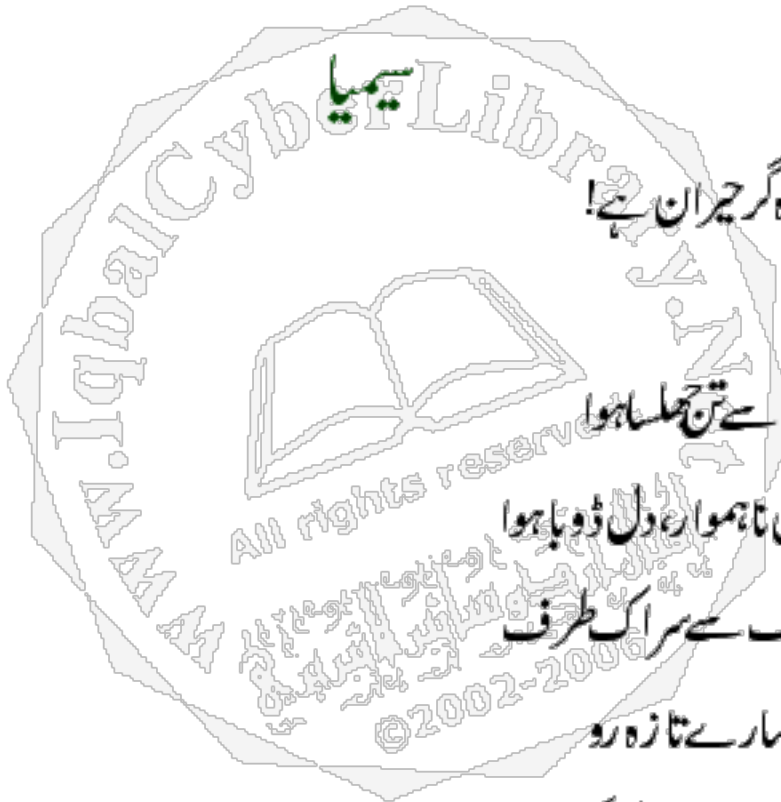
یہ گرد جو میرے خال و خد پر جمی ہوئی ہے

قبائے تن تک نہیں رکی ہے

شکستگی میری روح میں ہے!

تھکن جو پچھلے سفر کی ہے

میری ہڈیوں میں اتر چکی ہے!



چارہ گر حیران ہے!
تپ سے تن جھلسا ہوا
نبض ناہموار دل ڈوبا ہوا
ضعف سے سراک طرف
زخم سارے تازہ رو
پھر بھی چہرہ پھول کی صورت مرا شاداب ہے!

اس کا کیا معلوم
کس شبِ غم نے اس پر رات بھر
اپنے لب رکھے رہے
اس کو کیا معلوم
کس بارش نے اس کو سارا دن
اپنے ہاتھوں پر رکھا

اس کو کیا معلوم
اک صحرا نصیب
اک توجہ کی نظر سے کس قدر سیراب ہے!
زندگی کا حسن سارا

روح کی ساری نمود

عشق کا اعجاز ہے!

خار سے لے کر

رگ گل

اور رگ جاں سے دل جاناں تک

نامیہ کی ایک ہی قوت بروئے کار ہے

عشق اور اس کا فسوں!

”آگ کو گلزار کر سکتا ہے“۔

موت کو انکار کر سکتا ہے!

غزل

دیکھ کر دانہ جو آئے ہیں سر شاخ پرند
رت بدلنے پہ تو یوں بھی نہیں رہنے والے

شہر ویرانی میں صحرا و بیاباں سے بڑھا
اب تو یاں اہل جنوں بھی نہیں رہنے والے

خاک ہو جائیں گے قاتل بھی یہاں تیغ بدست
اور غلطیدہ بخوں بھی نہیں رہنے والے

نیم بسل ہی سہی ہیں تو میسر تجھ کو
پھر تو یہ صید زبوں بھی نہیں رہنے والے

وقت ایسا ہے کہ اب حشر ہے کچھ دیر کی بات
مطمئن اہل سکوں بھی نہیں رہنے والے

غزل

جز طلب اس سے کیا نہیں ملتا
وہ جو مجھ سے ذرا نہیں ملتا
جان لینا تھا اس سے مل کے ہمیں
بخت سے تو اسوا نہیں ملتا

زخم کھلنے کے منتظر کب سے
اور لمس ہوا نہیں ملتا

کس قدر بدنصیب بادل ہیں
جن کو دست دعا نہیں ملتا

میرا مسلک نہیں قصاص مگر
کیا مجھے خوں بہا نہیں ملتا

بستیاں آخری دموں پر ہیں
اور حرف شفا نہیں ملتا



غزل

تاروں کے لیے بہت کڑی تھی
یہ رخصت ماہ کی گھڑی تھی
ہر دل پہ ہزار نیل نکلے
دنیا کے پھول کی چھری تھی!

واں ڈھیر تھا پتھروں کا تیار
یاں پھول کی ایک پنکھڑی تھی

دریا مرے سامنے تھا لیکن
میں پیاس سے جاں بلب کھڑی تھی

دیکھوں گی میں آج اس کا چہرہ
کل خواب میں روشنی بڑی تھی

تھا جھوٹ امیر و تخت آرا
سچائی صلیب پر گڑی تھی

غزل

رخت کی کک رہی ہے اب تک
اک شام سگ رہی ہے اب تک
شب کس نے یہاں قدم رکھا تھا
دلیر چمک رہی ہے اب تک

ماتھے پہ وہ لب تھے ثانیہ بھر
اور روح مہک رہی ہے اب تک

دیکھا تھا یہ کس نظر سے اس نے
تصویر دمک رہی ہے اب تک

جو بات کہی نہیں تھی اس سے
لجے میں کھنک رہی ہے اب تک

کب کا ہوا خالی ساغر شام
مے ہے کہ چھلک رہی ہے اب تک

بن عکس یہی کیسی جگمگاہٹ

شیشے سے جھلک رہی ہے اب تک

وہ چشم کہ باغ آشنا ہے

جنگل میں جھلک رہی ہے اب تک

دونوں کے لبوں تک آتے آتے

اک بات اٹک رہی ہے اب تک

بارش کی ہے چاہ شاخ کو اور

بادل سے جھجک رہی ہے اب تک

شانوں پہ نہیں وہ ہاتھ لیکن

چادر سی سرک رہی ہے اب تک

غزل

لو چراغوں کی کل شب اضافی رہی
روشنی تیرے چہرے کی کافی رہی
اپنے انجام تک آ گئی زندگی
یہ کہانی مگر اختلافی رہی

ہے زمانہ خفا تو بجا ہے کہ میں
اس کی مرضی کے بالکل منافی رہی

ایسے محتاط ، ایسے کم آمیز سے
اک نظر بھی توجہ کی کافی رہی

صبح کیا فیصلہ حاکم نو کرے
جشن کی رات تک تو معافی رہی

غزل

تارِ مڑگاں نہیں مل رہا تھا
زخمِ کس یاد کا سل رہا تھا
برفِ میں روشنی کھل رہی تھی
وہ مجھے خواب میں رہا تھا

کچھ عجب روشنی باغ میں تھی
پھول کس رنگ کا کھل رہا تھا

سامنے تھا وہ اور دونوں چپ تھے
اب نہ ہم تھے نہ وہ دل رہا تھا

رنگ و روغن کی باتیں محل میں
شہرِ بنیاد سے ہل رہا تھا

غزل

آنکھوں نے کیسے خواب تراشے ہیں ان دنوں
دل پر عجیب رنگ اترتے ہیں ان دنوں
رکھ اپنے پاس اپنے مہر اے فلک
ہم خود کسی کی آنکھ کے تارے ہیں ان دنوں

دست سحر نے مانگ نکالی ہے بارہا
اور شب نے آ کے بال سنوارے ہیں ان دنوں

اس عشق نے ہمیں ہی نہیں معتدل کیا
اس کی بھی خوش مزاجی کے چرچے ہیں ان دنوں

اک خوشگوار نیند پہ حق بن گیا مرا
وہ رت جگے اس آنکھ نے کالے ہیں ان دنوں

وہ قحط حسن ہے کہ سبھی خوش جمال لوگ
لگتا ہے کوہ قاف پہ رہتے ہیں ہیں ان دنوں

سندریلا (Unisited)

کھلی آنکھوں یہ کیا خواب میرے سامنے ہے
دیئے آنگن سے لے کر آسمان تک
گلاب تازہ کی خوشبو چمن سے صحن جاں تک
بلوریں جام میں دگتی سرخ سے
اور اس کے نشے سے فروزاں ان کا چہرہ

ستاروں سے بنا میرا البادہ
سر اپا اضطراب اک شاہزادہ
فرش پر شمعیں جلاتا ایک وعدہ
دلوں کے والکن پر
والز کرتے دو بدن
اور اس کے شانوں پر رکھے سر
زندگی سے

نیم سرگوشی میں اک ہی بات دہراتی ہوئی
خوشبوئے لب

اور اس کا جادو
کجر بچتے ہی آدھی رات کا
یہ خواب یکدم ٹوٹ جاتا ہے
ستاروں سے بنا ملبوس میرا

پھر خس و خاشاک ہو جاتا ہے

میرا تھا چانک ٹوٹ جاتا ہے

مری شیشے کی جوتی رقص گم میں چھوٹ جاتی ہے!

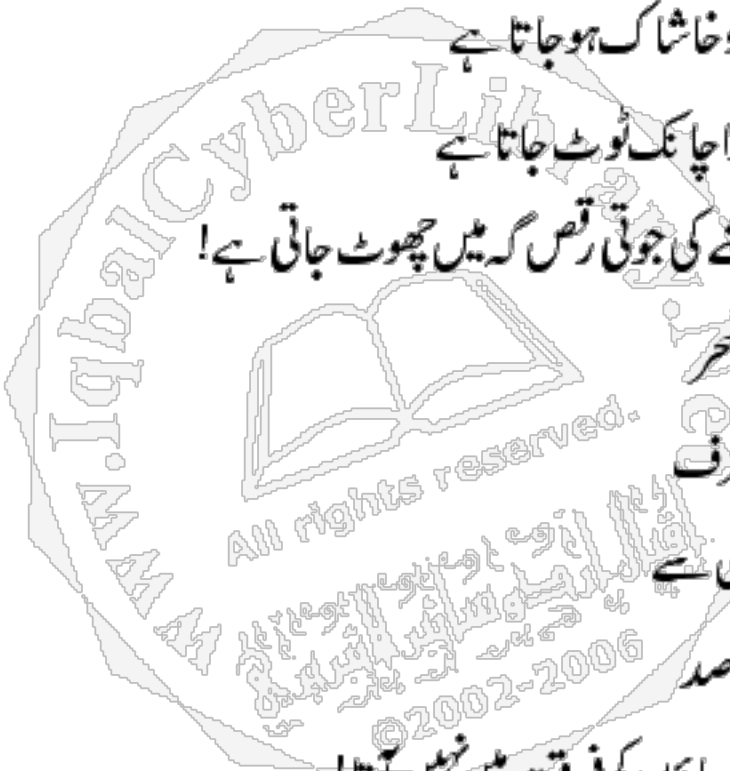
مگر اگلی سحر

میری طرف

شاہی محل سے

کوئی قاصد

دوسرے پاؤں کی فرقت میں نہیں آتا!



نظم

چلو اس خواب کو ہم ترک کر دیں
اور آنکھوں پہ سمجھا دیں
کہ ہر تصویر میں ہلکا گلابی رنگ چاہے سے نہیں آتا
بہت سے نقش، نقاش ازل ایسے بناتا ہے
کہ جن کا حاشیہ گہرا سیہ
اور نقش ہلکا سرمئی رہتا ہے
اور جن پر کسی بھی زائے سے چاند اترے
یہ کبھی روشن نہیں ہوتے
خدا کچھ کام آدھی رات کو کرتا ہے
جب اس کے پیالے میں
سیاہی کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا
یہ خاکہ بھی
کسی ایسی ہی ساعت میں بنا ہوگا
ہماری آنکھ میں جو خواب اتر اٹھا
بہت خوش رنگ لگتا تھا
مگر اس کے دکنے میں
کئی آنکھیں ابھو ہوتیں
کتابوں اور پھولوں سے سجے جس گھر کے آنگن میں
ہم اپنے آپ کو کھلتے ہوئے محسوس کرتے تھے

وہاں ک اور گھر بنیاد سے یوں سر اٹھاتا تھا

کہ ہم اندر سے ہل جاتے

مگر چپ چاپ رہتے تھے

یہ چپ دیمک کی صورت ہم کو اک دن چاٹ جاتی!

تمہارے دکھ سے میں واقف ہوں

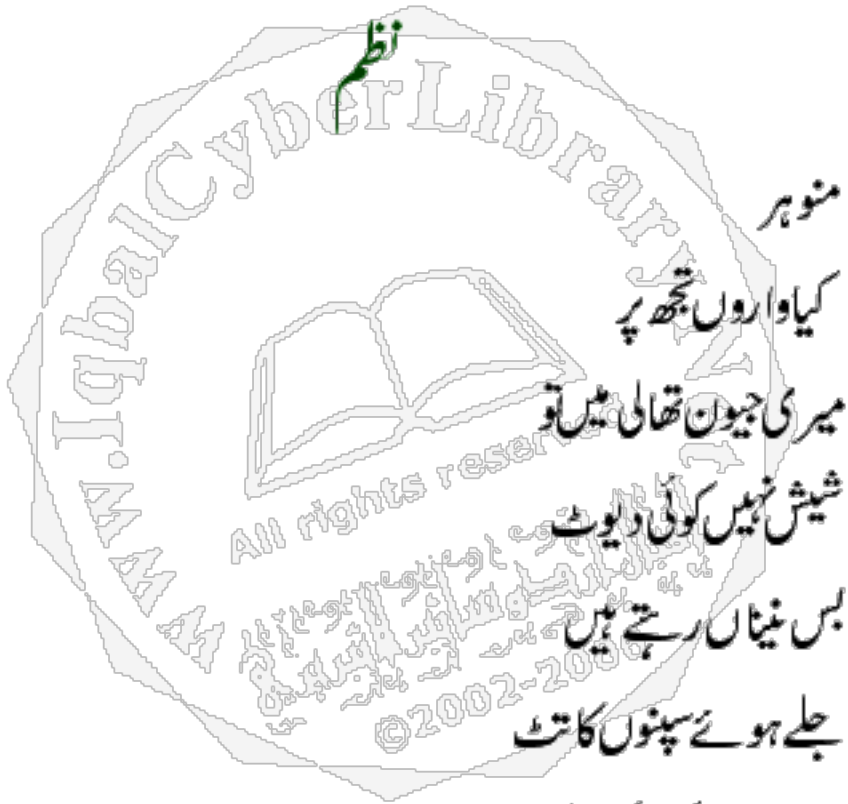
اور اپنے مقدر کی لکیروں کی بھی محرم ہوں

ہمارے بس میں رنگوں کا چناؤ ہے

نہ خط کا

سو اس تصویر کو تحلیل کر دیں

ہم اپنا کینوس تبدیل کر لیں!



منوہر
کیا واروں تجھ پر
میری جیون تھالی میں تو
شیش نہیں کوئی دیوٹ
بس نیناں رہتے ہیں
جلے ہوئے سپنوں کا ٹ
ما تھے ترے کیا تلک لگاؤں
راکھ بھی مری مانگ
اوک میں تیری کیا جل ڈاروں
میں سمپورن پیاس!
کچھ شبدوں کے موتی ہیں
پر کیا اس چند رکھ آگے
تیری جنم گرہ میں موہن
کونسا پھول میں ٹانکوں
من بگیا سو فی ہے
اور پر ائے پھولوں پر ہے
کیا میرا ادھیکار
بس اک آتما رہتی ہے
جو دان کروں تجھ پر!

منوہر

کیا واروں تجھ پر؟



نظم

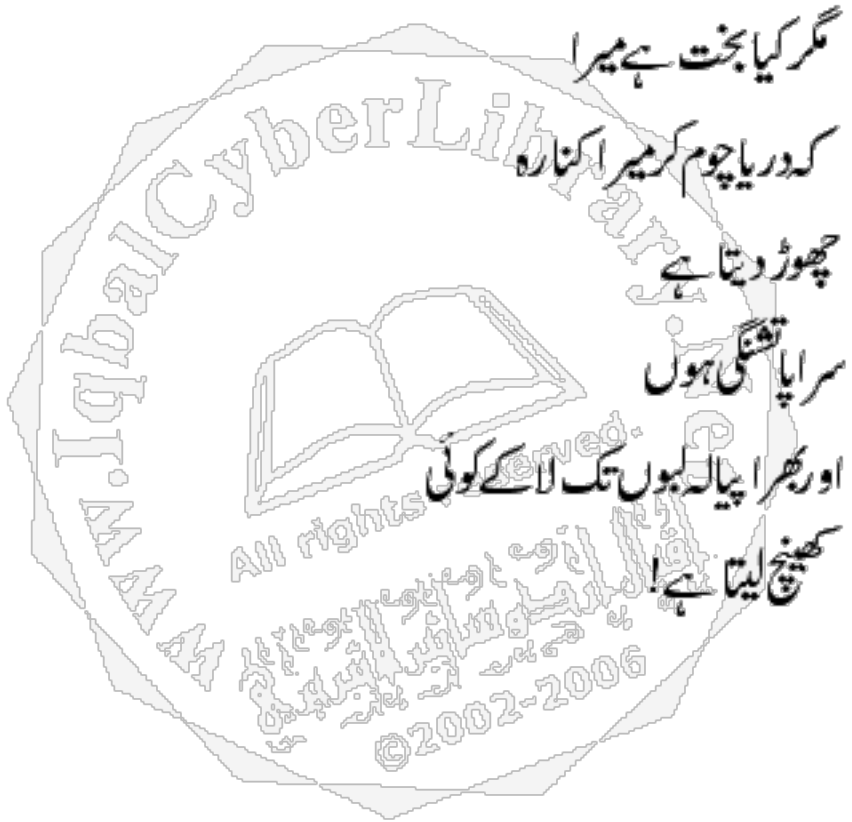
میں اپنی پیاس پر خاموش تھی
اور ریگ صحرا کی طرح سے زندگی کو دھوپ کا ٹکڑا سمجھتی تھی
کبھی سیراب ہونے کی تمنائے
بدن میں سر اٹھایا بھی
تو اپنے دل سے میں نے معذرت کر لی
کہاں اس سے

کہ اندر آگ کیسی ہی بھڑکتی ہو
مجھے بارش کی جانب آنکھ اٹھا کر دیکھنے کا حق نہیں ہے

زباں پر آبلے پڑتے رہیں
لیکن مجھے شبِ نم نہیں چکھنی
مجھے بادلوں کے ہاتھوں سے کوئی تحفہ نہیں لینا
نمی کی ایک ہی صورت ہے میری زندگی میں
اور وہ آنسو ہے!

مگر جب سے کسی لہجے کے نم نے
میرے دل کی ریت کو آ کر چھوا ہے
مرے اندر

مکمل بھیگ جانے کی تمنا جاگ اٹھی ہے
لہو میں اب مرے بس آتش سیال ہے
اور جسم انکارے کی طرح سے دکھتا ہے



مگر کیا بخت ہے میرا

کہ دریا چوم کر میرا کنارہ

چھوڑ دیتا ہے

سراپا تشنگی ہوں

اور بھرا پیالہ بوں تک لا کے کوئی

کھینچ لیتا ہے!

غزل

ایک ہی ہاتھ میں سب کچھ سمٹ آیا شاید
بادشاہت کا زمانہ پلٹ آیا شاید
دل کو دنیا کی ضرورت ہی نہیں پڑنے دی
تیرے لشکر سے اکیلے ہٹ آیا شاید

دفن کر آئی میں جنگل میں خزانہ لیکن
سانپ سا پھر کوئی دل سے لپٹ آیا شاید

اس قدر بھیڑ تھی اس بار بھی رستے میں ترے
کوئی چہرہ، کسی کھڑکی سے ہٹ آیا شاید

لوٹنے والے کو پہچاننا مشکل ٹھہرا
ایک چہرہ ، کئی چہروں میں ہٹ آیا شاید

کسی صورت سے ابھی سر کو بچا رکھا تھا
جنگ بے صرفہ میں لیکن وہ کٹ آیا شاید

نثری نظم

ان دنوں

میری اپنے آپ سے بول چال بند ہے!

میرے اندر ایک بانجھ غصہ

پھنکارتا رہتا ہے

نہ مجھے ڈستا ہے

نہ میرے گرد اپنی گرفت ڈھیلی کرتا ہے

نینوا کی سر زمین

ایک بار پھر سرخ ہے

فرات کے پانی پر

ابن زیاد کے طرف داروں کا ایک بار پھر قبضہ ہے

زمین اور آسمان

ایک بار ششما ہے کالہو

وصول کرنے سے انکاری ہیں

اور میرے چہرے پر اب مزید لہو کی جگہ نہیں!

فاتح فوج اور روشنی اور آگ کے فرق کو نہیں سمجھتی!

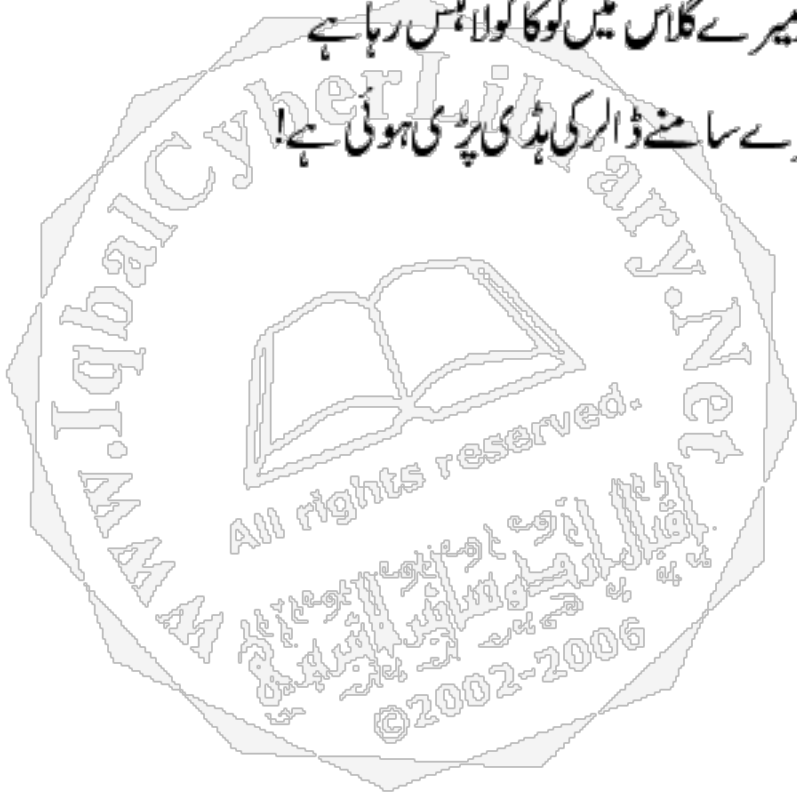
صحرا کی رات کاٹنے کے لیے انہیں الاؤ کی ضرورت تھی

سو انہوں نے میرے کتب خانے جلا دیئے!

لیکن میں احتجاج بھی نہیں کر سکتی

میرے بالوں میں سرخ اسکا رف بندھا ہے

اور میرے گلاس میں کوکا کولا نہس رہا ہے
میرے سامنے ڈالر کی ہڈی پڑی ہوئی ہے!



تمہاری سالگرہ پر

یہ چاند اور یہ ابر رواں گزرتا رہے
جمالِ شام تہہ آسماں گزرتا رہے
بھرا رہے تری خوشبو سے تیرا صحن چمن
بس ایک موسمِ عنبر نشان گزرتا رہے

سماعتیں ترے لہجے سے پھول چنتی رہیں
دلوں کے ساز پہ تو نغمہ خواں گزرتا رہے

خدا کرے تری آنکھیں ہمیشہ ہنستی رہیں
دیارِ وقت سے تو شادماں گزرتا رہے

میں تجھ کو دیکھ نہ پاؤں تو کچھ ملاں نہیں
کہیں بھی ہو تو ، ستارہ نشان گزرتا رہے

میں مانگتی ہوں تری زندگی قیامت تک
ہوا کی طرح سے تو جادواں گزرتا رہے

مرا ستارہ کہیں ٹوٹ کر بکھر جائے
فلک سے تیرا خط کہکشاں گزرتا رہے

میں تیری چھاؤں میں کچھ دیر بیٹھ لوں اور پھر
تمام راستہ بے سائباں گزرتا رہے

یہ آگ مجھ کو ہمیشہ کیے رہے روشن
مرے وجود سے تو شعلہ ساں گزرتا رہے

میں تجھ کو دیکھ سکوں آخری بصارت تک
نظر کے سامنے بس اک سماں گزرتا رہے

ہمارا نام کہیں تو لکھا ہوا ہو گا
مہ و نجوم سے یہ خاکداں گزرتا رہے

میں تیرا ساتھ نہ دے پاؤں پھر بھی تیرا سفر
گلاب و خواب کے ہی درمیاں گزرتا رہے

میں تیرے سینے پہ سر رکھ کے وقت بھول گئی
خیال تیزی عمر رواں گزرتا رہے!

سلام

گرچہ لکھی ہوئی تھی شہادتِ امام کی
لیکن مرے حسینؑ نے حجتِ تمام کی
نہیب کی بے روائی نے سرمیرا ڈھک دیا
آغازِ صبح نہ ہوئی وہ شام، شام کی

اک خوابِ خاص چشمِ محمدؐ میں تھا چھپا
تعبیرِ نورِ عینِ محمدؐ نے عام کی

بچوں کی پیاسِ مالکِ کوثر پہ شاق تھی
ساقی کو ورنہ مے کی ضرورت نہ جام کی

حر سا نصیبِ بادشہوں کو نہیں نصیب
آقا سے مل رہی تھی گواہیِ غلام کی

دریا پہ تشنہ لب ہیں پہ صحرا میں شاد کام
دنیا عجب ہے ان کے سفر اور قیام کی

دے کر رضا جو چہرہ شبیر زرد ہے
تھی التجائے جنگ یہ کس لالہ قیام کی

ختم شد The End

All rights reserved.

©2002-2006